بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

کچھ ایسی سرکش قوتیں زمین پر ہمیشہ موجود رہی ہیں، جن کو نہ خدا کا خوف ہوتا ہے، نہ خلق کی شرم، نہ انسانی حقوق کا پاس، نہ اخلاقی قدروں کا لحاظ اور نہ عہد و پیمان کی پروا۔ یہ قوتیں ہر دور میں چھوٹے اور بڑے فساد کا سبب بنتی ہیں۔ زندگی میں تمام بگاڑ ان کی وجہ سے ہوتا ہے، اور یہی امن و سلامتی کی دھجیاں بکھیرتی ہیں۔ یہ بیماری اگر محض چند افراد تک محدود ہو تو وہ معاشرے میں جرائم کا طوفان اُٹھاتے رہتے ہیں اور اس کا اثر اگر کسی قوم اور اس کے حکمرانوں تک جا پہنچے تو پھر وہ دوسری قوموں اور حکومتوں کے لیے عذاب بن جاتے ہیں۔ آج کی دُنیا ایسی ہی سرکش اور بے اُصول اور قوت پرست طاقتوں کے گھیرے میں ہے جن کی وجہ سے زمین کے چپے چپے پر فساد ہے۔

قرونِ وسطیٰ تو کیا، قرونِ مظلمہ میں بھی فاسد طاغوتی قوتوں نے ظلم و جبر کے جو بدترین وحشیانہ طریقے نکالے تھے، اب معاملہ ان سے ہزار گنا آگے نکل گیا ہے۔ افغانستان میں رُوسی فوج کے ہاتھوں جس طرح گاؤں کے گاؤں ملیامیٹ کیے جارہے ہیں اور زہریلی گیسوں کے بگولے حیا بدین کے ساتھ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو اپنی مہلک لپیٹ میں لے رہے ہیں ـــــ یا اُدھر دوسری جانب امریکہ کی پشت پناہی سے اسرائیل نے جنگ کے تمام مروجہ قوانین اور متفقہ حدود کو بر طرف رکھ کر فلسطینیوں پر جو بہیمانہ مظالم ڈھائے ہیں، جس بے محابا طریق سے کئی کئی گھنٹوں تک ٹنوں وزنی بم برسائے ہیں۔ فاسفورس کے شعلہ پاش بموں سے جس بڑی تعداد میں مردوں کے علاوہ عفت مآب خواتین اور معصوم بچوں کو جھلسایا ہے، جس

بے باکی سے پناہ گزینوں کے کیمپوں اور ہسپتالوں کو تباہی کا نشانہ بنایا ہے اور جس غیر انسانی جذبے سے بجلی، پانی، خوراک اور دواؤں کی رسد سے فلسطینی پناہ گزینوں اور زخمیوں اور بوڑھوں، بچوں کو محروم کیے رکھا ہے، ان سارے احوال کو دیکھ کر انسانیت کی ابتدائی لازمی قدروں کا دیوالیہ پن ظاہر ہوتا ہے۔

تباہی اور سنگ دلی کا یہ نیا دور مرہونِ منت ہے اُن سائنسی انکشافات اور ٹیکنالوجیکل ترقیات کا جن کو فلاح و تعمیر اور امن و سلامتی کی راہ پر ڈالنے والے تمام نظریات و اعتقادات کو جدید نظریۂ ارتقا نگل چکا ہے۔ اس باطل نظریے سے یہ اخلاقی اصول وضع کر لیا گیا ہے کہ جس کے پاس قوت ہو، وہی برسرِ حق ہے اور جو دوسروں کے خلاف اپنی قوت کو زیادہ سے زیادہ بے رحمی سے استعمال کر سکے وہی زندہ رہنے کا مستحق ہے۔

تو اب ہم ایک شدید ترین دَورِ فساد کے سامنے کھڑے ہیں، جس کی سب سے زیادہ زد ہمیں پر پڑ رہی ہے۔ کتنے ہی خطوں اور ملکوں میں مسلمان دونوں سپر پاورز اور اُن کی پروردہ اور حمایت یافتہ قوتوں کے ناوکِ ستم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ یہ ہم سے ابلیس کا انتقام ہے، اس قصور پر کہ ہم نے کیوں خدائے واحد سے اپنا رشتہ استوار کرنے کے لیے دامنِ مصطفیٰ کو تھاما ہے۔ زمین پر اس قیامت آفریں فساد کے سیلِ آتشیں کی لہریں کبھی ایک علاقے میں سر ابھارتی ہیں اور کبھی دوسرے میں، اور ہر ایسی لہر کی لپیٹ میں ملّتِ اسلامیہ ہی کا کوئی نہ کوئی حصہ آتا ہے۔ ساتھ ہی سارے عالمِ انسانی کا امن تباہ ہو جاتا ہے۔

فساد کسی بھی درجے کا ہو اور کسی بھی زمانے میں ہو، اس کا علاج اسلام نے جہاد قرار دیا ہے۔ جہاد نہ صرف مسلمان اُمت کے اپنے تحفظ و بقا کا ضامن ہے، بلکہ پوری انسانیت کی خیر و فلاح جہاد ہی میں مضمر ہے۔ ہمارا جہاد جو جہاد فی سبیل اللہ کہلاتا ہے، اس کی غایت ہی یہ ہے کہ قوت کو حق ماننے والے لوگ حق کو قوت تسلیم کریں، ساری نوعِ انسانی کے حقوق کا تحفظ ہو سکے اور کوئی سلطنت یا سپر پاور کسی کو کمزور پاکر اُسے بموں اور گیسوں سے تباہ نہ کر سکے۔

ہم اپنے اس فریضہ کو بھول چکے ہیں۔ افراد میں اس جذبے کا کارفرما ہونا تو کجا، دُنیائے اسلام کی اکثر حکومتوں کے سامنے بھی کوئی ایسا منصوبہ نہیں کہ وہ اس دور کی قوتوں کے مقابلے میں اس دور کے احوال وضروریات کے مطابق کھڑی ہو سکیں۔ روایتی طور پر کچھ نفری سپاہ کی ہو گی، اُن کے پاس گزارے کے کچھ سازوسامان ہوں گے۔ اور پیشِ نظر صرف یہ ہو گا کہ اگر جنگ کی بلا سر پر آ ہی پڑے تو کچھ نہ کچھ کیا جا سکے۔ مگر نہ قوموں کی سطح پر اور نہ بین الاسلامی سطح پر کوئی بڑا منصوبہ موجود ہے کہ ہمیں آج کی کسی حریف قوت کا مقابلہ کرنے کے لیے کس درجہ کی فوجی تنظیم وتربیت کی ضرورت ہے۔ فوجی اغراض سے کیا ہمارے پاس ریسرچ اور تجربات کے لیے سائنسی سنٹر موجود ہیں؟ کیا اعلیٰ درجے کے بھاری اسلحہ کی تیاری کا انتظام ہے؟ کیا ایسی متفقہ اسٹراٹیجی متعین ہے کہ کس جگہ سے کہاں وار کیا جا سکتا ہے اور کونسا راستہ تحفظ کا راستہ ہے۔ ہمارا معاملہ تو معمولی سفارتی اور پروپیگنڈائی سطح پر بھی دوسروں سے کمزور ہے۔ ہمارے پاس اعلیٰ درجے کے ماہر ڈپلومیٹ نہیں ہیں۔ ہمارے سفیر اُن لہروں اور رَوؤں کی کاٹ نہیں کر سکتے، جو رُوس اور امریکہ اور دوسرے بڑے بڑے عالمی مراکز یا دشمن ممالک سے اُٹھتی ہیں۔

پس جہاد کے لیے تیاریٔ جہاد ضروری ہے۔

یہاں میں قرآن کریم کی صرف ایک مختصر آیتِ جہاد کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ سورۂ صف میں ارشادِ ربانی ہے کہ:- اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ - (ترجمہ) "یقیناً اللہ اُن لوگوں کو چاہتا ہے جو اس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر جنگ کریں"۔ اِس آیت میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں؛ جن سے ہم استفادہ کرتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے یا اُن سے محبت کرتا ہے جو اُس کی راہ میں جنگ کریں۔

دوسری بات یہ کہ جنگ اللہ کی راہ میں ہونی چاہیے۔
تیسری بات یہ کہ اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والوں کو بنیان مرصوص بن کر معرکہ آرا ہونا چاہیے۔

اللہ اُن لوگوں کو چاہتا ہے یا پسند کرتا ہے یا اُن سے محبت کرتا ہے جو اُس کی راہ میں جنگ کریں، اس سے از خود یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دین میں جہاد افضل ترین عبادت ہے۔ جیسے کہ حدیث میں آتا ہے کہ۔ " ذُرِوَۃُ سَنَامِہٖ جِہَاد "

اسی بنا پر حضورؐ نے فرمایا:۔

" جو شخص اس حالت میں مرا کہ نہ اُس نے جہاد کیا اور نہ جہاد کا ارادہ کیا، وہ ایک طرح کی حالتِ نفاق میں مرا۔" (روایت حضرت ابوہریرہ۔ مسلم۔ مسند احمد)

" جس نے نہ جہاد کیا، نہ مجاہد کو سامان مہیا کیا اور نہ مجاہد کے اہل و عیال کی دیکھ بھال نیک نیتی سے کی، وہ قیامت کے روز شدید آفت سے دوچار ہوگا۔" (روایت حضرت ابوامامہ۔ ابوداؤد)

دین کی اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی ابتدا ہی سے ایک جہاد ہے۔ جس دن کوئی شخص کلمہ کو قبول کرتا ہے۔ اُس دن غیر اللہ کی مختلف الہیتوں کے خلاف اس کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ ایمان لانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ طاغوت کا انکار کیا جائے۔ طاغوت اپنا نفس ہو، یا اپنا خاندان، یا برادری، یا حکومت یا رسم و رواج یا کوئی باطل نظریہ اور کوئی فاسد تحریک ——— " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ " کہتے ہی اس سے جنگ کا آغاز ہو گیا۔

ایک داعیٔ حق کا حق کے لیے قوت جمع کرنا، تیاریٔ جہاد ہے اور اس لیے جہاد کے حکم میں داخل ہے۔

بخلاف اس کے اگر کوئی شخص اسلامی عقیدے ذہن میں رکھ کر یا کچھ عبادات و اخلاق کی پابندی کرتے ہوئے طاغوتی قوتوں اور باطل نظریات کے ساتھ صلح سلامتی کا رویہ اختیار کر لیتا ہے

تو وہ جہاد کی پہلی ہی منزل میں جہاد کے راستے سے ہٹ جاتا ہے۔

جہاد کا آخری مرحلہ (قتال) آنے سے پہلے دل سے اور زبان سے اور دماغ سے اور قلم سے اور اپنے کردار سے اور اپنے مال سے ان مزاحم قوتوں کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہے جو دین کا راستہ روکیں۔

پس جس طرح یہ بات برحق ہے کہ مومن کی ساری زندگی خدا کی عبادت پر مشتمل ہونی چاہیے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی درست ہے کہ ایمان والوں کی ساری زندگی جہاد کی زندگی ہونی چاہیے۔ اگر ایک درجے کا جہاد ہو رہا ہو تو یہ کوشش کہ اس سے اگلے درجے کا جہاد ہو سکے، وہ درجہ حاصل ہو جائے تو پھر یہ اہتمام کہ اس سے بھی اگلے مرحلۂ جہاد میں قدم رکھا جا سکے۔

آیت متذکرۃ الصدر کا دوسرا تقاضا ہے "فی سبیلہ" یعنی جہاد وہ مطلوب ہے جو صرف اللہ کی راہ میں کیا جائے۔

جہاد فی سبیل اللہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ جہاد سے اللہ کی رضا و خوشنودی اور اس کی تعمیلِ حکم کے سوا کچھ مطلوب نہ ہو۔ کوئی دنیوی فائدہ یا اپنی ذات کے لیے اقتدار حاصل کرنا نصب العین نہ ہو۔ خاندانی، طبقاتی، لسانی اور علاقائی عصبیتیں اس کی محرک نہ ہوں۔ اسی طرح اس میں شہرت طلبی اور ریاکاری کا شائبہ نہ ہو۔ مجاہد فی سبیل اللہ کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ میں لڑوں گا تو لوگ مجھے بہادر قرار دیں گے یا دُور دُور تک میرے کارناموں کا شہرہ ہو جائے گا۔ اسی طرح مالِ غنیمت کے حصول کا لالچ بھی نیت میں شامل نہ ہونا چاہیے۔ جہاد کے پردے میں آدمی کسی سے ذاتی انتقام لینے کا خیال نہ کرے۔ کسی غلط قوت کا آلۂ کار بن کر لڑنا بھی ایک مسلمان کے لیے درست نہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جہاد سے اُن عقائد و مقاصد اور اصول و ضوابط کا غلبہ مطلوب ہونا چاہیے جن کے مجموعے کا نام دین ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔ یعنی حقیقی مقصد یہ ہو کہ یکون الدین کلہ للہ۔

جہاد فی سبیل اللہ کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ اس کے دوران میں مجاہد اُن حدود و ضوابط کی پابندی کرے جو جہاد و قتال کے لیے اللہ نے مقرر کر دیے ہیں۔ نظم و ترتیب کا اہتمام، بے رحمی اور ناشائستگی سے پرہیز، مالِ غنیمت کے بارے میں ضابطے کی شدید پابندی، دشمن کے لیے صلح کی راہ کھلی رکھنا، غیر مصافی لوگوں کو ہدف بنانے سے پرہیز کرنا۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک وغیرہ اُمور کی پابندی جہاد کرنے والوں پر لازم ہے۔

جس کسی نے "فی سبیلہٖ" کے ان تقاضوں سے روگردانی کر لی وہ بڑی سعادت سے محروم ہوا۔

لفظ "صَفًّا" نہ صرف صف بندی کی طرف اشارہ کرتا ہے بلکہ اس میں ضبط و نظم کا پورا مفہوم بھی شامل ہے۔ عملاً تو میدانِ جنگ میں بکثرت ایسے مواقع پیش آتے ہیں کہ سیدھی صفیں قائم نہیں رہتیں۔ اصل مطلوب یہ ہے کہ نظم اور ڈسپلن کا کڑا اہتمام کیا جائے۔ یونہی ہڑبونگ نہ مچی ہوئی ہو کہ جس کا جدھر منہ آئے اُدھر کو لپکتا جائے۔ اور دوسروں کی اُسے کچھ خبر نہ ہو اور نہ کسی سے تعلق ہو۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ سارا کام ایک کمانڈ کے تحت ہونا چاہیے۔ یوں بھی یہ ظاہر ہے کہ اس کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی۔

مگر لفظ صف کے ساتھ جو تعریفی کلمہ آیا ہے اُس کے کچھ مزید تقاضے ہیں۔ فرمایا: "كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ" صف ایک ایسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہو جس میں کہیں کوئی رخنہ نہ پایا جائے۔ صف بنانا نسبتاً آسان ہے، "بنیان مرصوص" بننا مشکل ہے۔

بنیان مرصوص تب بنتی ہے جب دلوں سے دل ملے ہوئے ہوں۔ محض کندھوں سے کندھا یا ٹخنے سے ٹخنہ ملانے سے یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔ دلوں کا ملنا اس پر منحصر ہے کہ سارے مسلمان ایک ہی دین پر جمع ہوں، اُن کے سامنے ایک ہی نصب العین ——— اقامت دین ——— ہو۔ وہ آپس میں نرم خو ہوں (رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ) ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہو۔ ایک دوسرے کے لیے ایثار کرتے ہوں۔ ایک دوسرے کی عزت کرتے ہوں، ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں، دلوں میں بغض نہ رکھیں، کسی کے سینے میں "غِلّ" نہ موجود رہے، کوئی دوسرے کی

غیبت نہ کرے، کسی کو برسرِ مجلس رسوا نہ کیا جائے، وہ سلام اور دعوتوں اور ہدیوں اور مشوروں اور ملاقاتوں کے ذریعے ایک دوسرے سے وابستہ رہیں۔

یہ پیغام معمولی درجے کے اتحاد سے برتر ہے، مگر ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ایک ہی دین کے ماننے والوں میں ملکوں کے اندر بھی اور بین الاسلامی سطح پر بھی حقیقی اتحاد تک موجود نہیں ہے۔ نظریاتی تصادم ہیں، طبقاتی جھگڑے ہیں، فرقہ وارانہ مناظرے ہیں، خاندانوں میں رقابتیں ہیں، علاقوں اور نسلوں میں کھچاؤ ہے ــــ اور دشمن قوتیں ہمارے اس افتراق کو بڑھانے کے درپے ہیں۔

کیا عبرت ناک منظر ہے کہ مسلم دشمن قوتیں ہماری دشمنی میں متحد ہیں۔ اُن میں سے کوئی کبھی مشکل وقت میں ہمارے کام نہیں آیا۔ بلکہ ہر کسی نے مشکل مرحلوں میں ہمیں ظلم اور اذیت اور سازش کا نشانہ بنایا۔ دشمنوں کے اس اتحاد کے مقابلے میں بربنائے ضرورت بھی ہم متحد نہیں ہو سکے۔

ہمارے مُلکوں کے اندر بھی اوّل تو حکمرانوں اور عوام میں فاصلے ہیں۔ پھر عوام کو پھاڑنے والی قوتیں خود ہمارے اندر بھی موجود ہیں۔ اور باہر کی قوتیں بھی اپنا ہاتھ دکھاتی رہتی ہیں، بلکہ ستم یہ ہے کہ باہر کی قوتیں ہمارے ہی اندر سے آلۂ کار حاصل کر لیتی ہیں۔

خصوصیت سے ہمارے معاشرے لادینیت پسند اور داعیانِ اسلام کے اندر اس طرح بٹے ہوئے ہیں کہ اُن میں برسوں سے محاذ آرائی چل رہی ہے۔ داعیانِ اسلام چاہتے ہیں کہ معاشرہ اسلام کی راہ پر پیش قدمی کرے۔ اور حکومت اس سلسلے میں اپنا فرض ادا کرے، مگر لادینیت پسند ایک ایک معاملے میں دانتوں اور ناخنوں کا زور لگا دیتے ہیں کہ ایسی کوئی اصلاح نہ ہونے دیں گے جو معاشرے کو اسلام کی طرف پیش قدمی میں مدد دے۔

پھر ہمارے معاشروں میں رشوت و خیانت اور فحاشی و عیاشی کے طوفان اُمڈ رہے ہیں جن کی وجہ سے فرد فرد یا تو اپنی حیثیت بنانے اور اُس سے لطف لینے میں مصروف ہے، یا اپنے آپ کو لٹنے اور پسنے سے بچانے کی جدوجہد کر رہا ہے۔ ایک دوسرے کو تھامنے اور سہارا دینے کی اسپرٹ دولت پرستی اور عیش پرستی کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ غائب ہو رہی ہے۔

ایسے میں اتحاد کا خواب برسوں سے پریشان ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہ تو بعد کی بات ہے کہ اتحاد کو آہستہ آہستہ اس درجے تک پہنچا دیا جائے کہ مسلمان اور مسلمان کے (باقی برصفحہ ۵۶)